ہندوستان
کی
پہلی اسلامی تحریک

(حضرت سید احمد شہید اور ان کے ساتھیوں کی
چلائی ہوئی تحریک تجدید و جہاد کی تاریخ)

از

مسعود عالم ندوی

دار الاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن

طبع اوّل ـــــ ایک ہزار ـــــ مارچ ۱۹۴۶ء

ـــــ مطبوعہ ـــــ

صحیفہ مشین پریس حیدرآباد دکن

کتبہ: سید ناصر علی
کاپی نویس و خوشنویس

فہرست مضامین

یہ دونوں طبقے یعنی حنفی اور اہل حدیث ساتھ مل کر کام کرتے رہے، دونوں کا زور جہاد پر تھا۔ اور ان فروعی مسئلوں میں وہ روادار تھے۔ مگر آگے چل کر جب مجاہدین کی داروگیر شروع ہوئی اور ہر آمین بالجہر کہنے والے پر "وہابی" کا شبہ کیا گیا۔ اور وہابی کے معنی سرکاری زبان میں 'باغی' کے ہو گئے (جیسا کہ آئندہ صفحات میں آتا ہے)۔ ہندوستان کی جماعت اہل حدیث موجودہ شکل میں نمایاں ہوئی۔ اور ان کے سرگروہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ۱۲۵۶ھ-۱۳۳۸ھ نے سرکار انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا۔ اور حد یہ کہ وقت کے بعض مشہور حنفی علماء[1] کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دئے[2]۔ ان بیچارے کو یہ ہوش نہیں رہا کہ وہ اپنے کو سرکار کی زد سے بچانے کی فکر میں کیا کر رہے ہیں! اور اپنی جماعت کو کس پستی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب اور انھیں جیسے بعض علماء اہل حدیث کی روش کا یہ نتیجہ ہوا کہ موجودہ جماعت اہل حدیث کا عام رجحان فروعی مسئلوں تک، محدود ہو کر رہ گیا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ پوری جماعت 'اہل حدیث' ایسی ہی ہے۔ حاشا وکلا! انھیں میں اہل صادق پور بھی ہیں، جو سید صاحب رح کے عشق و محبت میں خود اُن کے اہل خاندان سے بھی بڑھ چڑھ کر ہیں، نیز ہندوستان کے طول و عرض میں سینکڑوں اہل حدیث ایسے ملیں گے جن کے دل اب بھی جذبۂ جہاد سے معمور ہیں۔ اور وہ اپنے اسلاف کی روش پر سختی کے ساتھ قائم ہیں۔ اس کے علاوہ

---

[1] مولانا فضل حق خیرآبادی (اسیر انڈمان متوفی ۱۲۷۸ھ) اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکہ (ف ۱۳۱۷ھ) وغیرہم

[2] رسالۂ اشاعت السنۃ۔

سید صاحبؒ کے ماننے والے اور ان کے مسلک کے مطابق جہاد و اصلاح کا ولولہ رکھنے والے اہل حدیث طبقہ کے اندر محدود نہیں۔ اہل دیوبند (جو پکے حنفی ہیں) کا ایک اچھا خاصہ طبقہ سید شہیدرحؒ کے مسلک پر چلنا اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھتا ہے۔ اہل دیوبند اور جماعت اہل حدیث کے علاوہ بھی، سمجھدار مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سید صاحبؒ اور مولانا شہیدؒ کے مشرب و مسلک کو عین اسلام تصور کرتی ہے۔ یہ تمام طبقے اصطلاحی "وھابی" کی فہرست میں آتے ہیں۔ مگر انہیں اہل حدیث نہیں کہا جا سکتا۔ اہل حدیث، ایک بالکل دوسری جماعت ہے، جو باطنیوں اور شیعوں کے توڑ کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ اور یہ کوئی نئی جماعت نہیں۔ بنو عباس کے اوائل عہد (دوسری صدی ہجری) ہی میں محدثین اور اہل حدیث، کا گروہ ممتاز اور مشہور تھا۔ یہ اور بات ہے کہ موجودہ جماعت اہل حدیث آمین و رفع یدین اور اس قسم کے دو چار فروعی مسئلوں پر قانع ہو کر رہ گئی ہے ——————

خلاصۂ کلام یہ کہ ہندوستان کے اصطلاحی "وھابی" اور ہیں اور "اہل حدیث" اور — اور راقمؔ[۱] ان دونوں لفظوں کے استعمال میں اس فرق کو ملحوظ رکھتا ہے۔ گو سچ پوچھئے تو لفظ "وھابی" کا اطلاق کسی گروہ پر صحیح نہیں۔

---

[۱] راقم کو اگر کوئی شخص "وھابی" کہتا ہے، تو تردید کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ لیکن اگر کوئی اہل حدیث، کے نام سے یاد کرے تو اس سے براءت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ "اہل حدیث" سے تحزب اور گروہ بندی کی بو آتی ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے موجودہ دور میں "حنفیت"، اور شافعیت وغیرہ فقہی مذہب ہونے کی جگہ مستقل "دین" بن کر رہ گئی ہیں۔ ہر طرف تحزب اور فرقہ بندی کا زور ہے، ضرورت اصول پر زور دینے اور فروع میں روادار ہونے کی ہے۔

تے بلوغ المرام' کی شرح مولانا رحؒ ہی کی ترغیب سے لکھی تھی۔ (ابقاء المنن بالقاء المحن صـ۱۲۱)

حج و جہاد

مولانا ولایت علی خود بھی بنگال تشریف لے گئے۔ شہروں اور دیہاتوں کا دورہ کیا۔ پھر اپنے مرشد و امیر کی اتباع میں آغاز جہاد سے پہلے حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور اسی سلسلے میں یمن اور دوسرے مقامات کی سیاحت کی۔ اور یمن کے نامور محدث و عالم قاضی محمد بن علی شوکانی (ف ۱۲۵۰ھ) سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اور ان کی بعض[1] تصانیف ساتھ لائے۔ ان کی یہی ادا ہمارے مولانا سندھی رحؒ کو ایک آنکھ نہیں بھاتی[2]۔ پتہ نہیں، بیرون ہند کے کسی عالم اور محدث سے استفادہ کیوں جرم قرار دیا جاتا ہے؟ اسلام تو اس قسم کی جغرافیائی حدبندی کا قائل نہیں۔

واپسی کے بعد اپنے سگے بھائی مولانا عنایت علی غازی رحؒ کو سید ضامن شاہ (رئیس بالاکوٹ) کی طلب پر مقام جہاد کی طرف روانہ کیا۔ پھر خود بالاکوٹ پہنچے اور مجاہدین کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی[3]۔

اس وقت کشمیر کے راجہ گلاب سنگھ اور مجاہدین کے درمیان جنگ جاری تھی۔ راجہ کو شکست

---

(۱) الدر البہیۃ۔ وہ نسخہ جو مولانا ولایت علی رحؒ یمن سے ساتھ لائے تھے، اب تک صادق پور میں محفوظ ہے اور راقم الحروف کی نظر سے گذر چکا ہے۔ (۲) ملاحظہ ہو۔ مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر صـ۸۸۔۸۴

(۳) ایک نادر قلمی رسالے میں جو ذیقعدہ ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء) کو میدان جہاد سے بھیجا گیا ہے، مولانا ولایت علی رحؒ کے موقع پر پہنچنے کا حال ان الفاظ میں درج ہے۔

"الحمد للہ علی احسانہ و کمال منہ و کرمہ کہ بتاریخ ہفدہم شہر شوال روز جمعہ ۱۲۶۲ھ جناب حضرت مولانا . . .

مظہر کرامات لم یزلی . . مرشدنا و امیرنا مولوی ولایت علی صاحب ادام اللہ برکاتہ و انوارہ . . . . مع تمام اہل قافلہ

والا . . . و اسباب و ذخیرہ . . . . بمحض فضل رب الارباب از سیاہ ہجوم اعداء بکوہستان اہل اسلام جلوہ افروز شدند"

ہوئی اور اس نے انگریزوں کے سائے میں جاکر پناہ لی۔ جو اُسوقت تک پنجاب پر قابض ہو چکے تھے۔ حکومت نے مولانا ولایت علی کو اطلاع دی کہ اب گلاب سنگھ پر حملہ کرنا خود انگریزی حکومت سے لڑائی مول لینا ہوگا۔ حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ مجاہدین کے ذریعہ سکھوں کی طاقت توڑ دی جائے۔ اسی لئے شروع شروع مجاہدین سے روک ٹوک نہیں کی گئی۔ لیکن جب پنجاب کا اکثر حصہ انگریزوں کے قبضے میں آگیا تو مجاہدین حکومت کی نگاہوں میں کھٹکنے لگے۔ مجاہدین بھی خواہ مخواہ حکومت سے نبرد آزما ہونا خلاف مصلحت خیال کرتے تھے۔ کوئی فریق ایک دوسرے سے مطمئن نہیں تھا کہ گلاب سنگھ کے سلسلے میں حکومت نے دھمکی دی۔ ابھی گفت و شنید کا سلسلہ جاری تھا کہ جاسوسوں نے باشندوں کو بھڑکایا۔ اور انھوں نے مجاہدین کے ساتھ شرمناک غداری کی۔ ایک روز مقرر کر کے سارے علاقے میں ان غریب الوطن "مہاجروں" کا قتل عام کرا دیا (ان واقعات کی مزید تفصیل مولانا عنایت علیؒ کے حالات میں آتی ہے) اور سید ضامن شاہ رئیس بالاکوٹ (جس کی درخواست پر مولانا عنایت علی کو بھیجا گیا تھا اور جس کی تمام املاک مجاہدین کی امداد و اعانت سے واپس مل چکی تھیں) نے بھی بے وفائی کا ثبوت دیا۔ اُس کے بعد مولانا نے صوبت بنیر کا رُخ کرنا چاہا۔ مگر سرکار انگریزی مزاحم ہوئی۔ ناچار حکومت کے پیدا کردہ حالات سے مجبور ہو کر اپنے بھائی اور خاص رفیقوں کے ساتھ انھوں نے وطن کی راہ لی۔ پھر بھی ان کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد میر اولاد علی (ف ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۹۳ھ) ساکن سورج گڈھا[1] ضلع مونگیر کی قیادت میں خفیہ طریقے پر ستھانہ پہنچ گئی۔ واپسی

(۱) اسی سورج گڈھا کو مشہور محدث میاں صاحب سید نذیر حسین صاحب رح (ف سنہ ۱۳۲۰ھ) کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔